اپنے کردار میں وہی اعلیٰ، پاک نمونے قائم کریں جن کی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں سے توقع ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 ستمبر 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا۔

آج کے خطبے سے پہلے جن اجتماعات یا جلسوں کے اعلانات کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع بہاولنگر کا سالانہ اجتماع کل 8 ستمبر بروز جمعرات سے جاری ہے اور آج خطبے کے ساتھ ختم ہوگا، مجلس انصاراللہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ایک روزہ سالانہ اجتماع آج ہی شروع ہوکر آج ہی ختم ہوگا، لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ دوبئی کے زیر اہتمام 9 ستمبر کو سیرۃ النبیؐ کا جلسہ منایا جارہا ہے۔ مجلس انصاراللہ ضلع عمرکوٹ کا سالانہ اجتماع آج سے شروع ہو رہا ہے، کل اختتام پذیر ہوگا۔ مجلس انصاراللہ مونٹریال کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ ناصرات الاحمدیہ کوئٹہ کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس انصاراللہ ضلع حیدرآباد کا سالانہ اجتماع 11 ستمبر بروز اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ مجلس انصاراللہ ضلع بدین کا اجتماع 12 ستمبر کو اور ضلع میرپور کا 13 اور 14 ستمبر بروز منگل بدھ منعقد ہوگا۔ اس کے علاوہ زیورک سے اطلاع ملی ہے کہ جماعت احمدیہ سوئٹزرلینڈ کا بارھواں سالانہ جلسہ آج بروز جمعہ 9 ستمبر سے شروع ہوکر 11 ستمبر بروز اتوار تک جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں صدر صاحب جماعت احمدیہ دہلی اطلاع دیتے ہیں کہ امسال پہلی مرتبہ دہلی میں 11 ستمبر 1994ء بروز اتوار مجلس خدام الاحمدیہ کا

سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔

یہ جو سلسلہ اعلانات کا شروع ہوا ہے اب یہ مزید جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر آئندہ اعلانات کرنے ہوئے تو وہ صرف ملکی اہم اجتماعات کے اعلان ہوا کریں گے یا بعض ایسے اعلانات جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ جماعتیں دلداری کی محتاج ہیں یا کسی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ دراصل یہ سلسلہ جو شروع ہوا ہے اب اس نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے کئی دفعہ چٹھیاں ملتی ہیں، فیکسز ملتے ہیں اور باقاعدہ شکوے اور شکائتیں شروع ہو جاتے ہیں کہ آپ کو فلاں وقت فیکس دی گئی تھی آپ نے ہمارا اعلان کیوں نہ کیا۔ فلاں وقت اس کی تکرار کی گئی تھی پھر بھی آپ نے اعلان نہیں کیا۔ پھر اس کے بعد بات ختم ہونے کے بعد پھر اطلاع دی گئی اور سب ہمارے کارکن یا کارکنات ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا۔ ہمارے خلاف کیا بات ہے جو ہمارے اعلان نہیں ہو رہے۔ تو یہ دعا کی درخواستیں نہیں نام و نمود کا سلسلہ بن چکا ہے جو بہت ہی مضر بات ہے اور ہمارے ایمان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا اس لئے آئندہ سے یہ سلسلہ بند ہے سوائے اس کے کہ ملکی سطح پر اہم اجتماعات یا جلسے ہوں یا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض استثناء میں تالیف قلب کی خاطر یا تالیف قلوب کی خاطر خود کروں اور اس میں کسی درخواست کا تعلق نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگر خود میرے دل میں کسی جماعت کی دلداری کا خیال ڈالا اور جماعتی حکمت کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا تو میں خود ہی ایسا کروں گا۔ جو گذشتہ اجتماعات جن کا اعلان رہ گیا تھا اب ان کا اعلان بھی ایک دفعہ کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے بعد پھر یہ شکووں کے سلسلے بند ہو جانے والے ہیں۔ ایک گھانا کے امیر ہمارے پاس بیٹھے ہوئے ہیں مجلس خدام الاحمدیہ گھانا کا نیشنل اجتماع یکم ستمبر تا 3 ستمبر منعقد ہوا لیکن اعلان نہیں ہو سکا۔ لجنہ اماء اللہ کا سالانہ ضلعی اجتماع کون سی لجنہ اماء اللہ ہے نہیں لکھا ہوا۔ 6 ستمبر کو منعقد ہوا کسی لجنہ اماء اللہ جس کا بھی ہوا تھا ان کے اجتماع کو بابرکت فرمائے (اس پر حاضرین نے آمین بلند آواز سے کہا تو حضور نے فرمایا) باقی سب کے لئے بھی صرف اسی ایک کے لئے آمین نہیں ہے۔ مجلس انصار اللہ ضلع کراچی اور حافظ آباد کے سالانہ اجتماعات 6 ستمبر کو ہوئے اور مجلس انصار اللہ ضلع نواب شاہ کا اجتماع 7 ستمبر بروز بدھ منعقد ہوا۔ اسی طرح مجلس انصار اللہ سانگھڑ کا اجتماع 8 ستمبر یعنی کل منعقد ہوا۔

جو میں نے سلسلہ خطبات کا شروع کر رکھا ہے اس میں انسانی تعلقات کے دائرے پیش نظر ہیں اور انسان کے انسان سے معاملات کے حالات بہتر بنانے کی خاطر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصائح ہی سے استفادہ کر رہا ہوں اور آپؐ ہی کے الفاظ میں حتی المقدور اس پاک چلن اور پاک نمونے کی جماعت سے توقع رکھتا ہوں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں سے منسوب ہونے کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ پس احادیث آپؐ ہی کے الفاظ میں پیش ہو رہی ہیں کہیں ضروری سمجھتا ہوں تو بعض حصوں کی تشریحات یا ان سے جو مضمون نکلتے ہیں ان پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔'' ''جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔'' یہ بہت ہی گہرا فقرہ ہے یعنی اس کا خیال کیوں آیا ہے کسی کو جہاں بھی تم ہو اس لئے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور یہ ایک ایسے شخص کا کلام ہے جس کو نہ صرف خدا کی ذات پر کامل یقین ہے بلکہ اس کے ہر آن حاضر ہونے کا بھی پورا یقین ہے اور اس کے بغیر یہ تصور ہی دماغ میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ جہاں بھی تم ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ''اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی۔'' قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: 115) کہ نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں اردو محاورے میں کہتے ہیں کھا جاتی ہیں تو اردو محاورہ تو غلط ہے کیونکہ نیکیاں بدیوں پہ تو تھوکتی بھی نہیں اس لئے کھانے کا کیا سوال ہے ہاں ان کو زائل کر دیتی ہیں جیسا کہ قرآنی محاورہ ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا کیونکہ باطل کے مقدر میں ہی بھاگنا ہے۔ پس نیکی اور بدی کی مثال نور اور اندھیرے کی سی ہے اور حق اور باطل کی بھی یہی مثال ہے پس يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ہی درست محاورہ ہے اور ہونا بھی یہی تھا کیونکہ اللہ کا کلام ہے۔ فرماتا ہے کہ نیکیاں آتی ہیں تو بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اس بات کو سمجھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آگے جو بات آ رہی ہے اس کا کوئی غلط نتیجہ نہ نکالے۔ فرمایا اگر کوئی برا کام کر بیٹھو تو اس کے بعد نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ یہ سلسلہ نہ انسان چلا بیٹھے کہ بدیوں پر جرأت اختیار کرے اور بدیاں کرتا چلا جائے اور کہے اس کے بعد میں کچھ نیکی کرلوں گا اور بدیاں دور ہو جائیں گی۔ بدی کے اثر اور اس کی عقوبت کا ذکر نہیں چل رہا یہ مضمون وہ ہے جو

قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ نیکی ہوتی ہی وہ ہے جو بدیوں کو نکال باہر پھینکے پس اگر ہر دفعہ وہی بدی کرنی ہے اور اس پر اصرار کرنا ہے اور پھر اس حدیث کا غلط معنی سمجھ کر نیکیاں کر کے اس کی عقوبت سے بچنے کی کوشش کرنا ہے تو یہ نہایت بیوقوفی ہے اس کا اس حدیث کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مراد ہے نیکیاں کرو خواہ بار بار بھی کمزوری ہو مگر اس وجہ سے نہیں کہ میں نیکی کر کے کمزوری ٹھیک کرلوں گا۔ یہ جہالت ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے لاعلمی بلکہ اس کی گستاخی کے مترادف ہے اس لئے بات کو سمجھ لیجئے مراد یہ ہے کہ اگر بدی ہوتی ہے تو اس بدی کو دور کرنے کی آپ میں طاقت نہیں ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ نیکیاں کریں اور جب نیکیاں کرتے ہیں تو نیکی کی لذت آپ پہ قبضہ کر لیتی ہے اور ایک ذاتی تعلق نیکی سے ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے مقابل پر بدی کا مزہ کم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ بدی زائل ہو جاتی ہے۔ پس اگر بے اختیاری میں گناہ ہوں یا بے اختیاری میں بار بار بھی ہوں تو اس نیت سے نیکی کرنی ہے کہ اس بدی کو زائل کرنے میں نیکی سے مدد لینی ہے اور نیکیاں کرتے چلے جانا ہے یہاں تک کہ بدی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور اس کا وہی حال ہو جیسے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ سچائی کا نور جب آتا ہے تو باطل کے اندھیرے خود بخود بھاگ جاتے ہیں وہ اکٹھے رہ نہیں سکتے۔

پھر فرمایا ''اور لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آؤ'' (ترمذی کتاب البر والصلۃ باب فی معاشرۃ الناس)۔ لوگوں سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک بھی نیکی کی مثال کے طور پر بیان ہوا ہے جب یہ فرمایا کہ نیکی کرو تو اس نیکی میں ایک خوش اخلاقی اور حسن سلوک کو بھی داخل کر لیا اور یہ ایک عام نیکی ہے جس سے معاشرہ سدھرتا ہے اور معاشرے میں آپس میں تعلقات میں ملائمت، نرمی اور شائستگی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کو عام دستور بنانا ضروری ہے کہ ہر ایک سے حسن سلوک کریں حسن معاملت کریں اور مسکرا کر محبت اور پیار سے بات کریں دلداریاں کریں یہ جو روزمرہ کے اخلاق کے تقاضے ہیں انہیں پورا کرنا ان نیکیوں میں داخل فرما دیا گیا ہے جن کے ذریعہ بدیاں مٹتی ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ماموں تھے جو بچھو کا دم کرتے تھے حضورؐ نے جب دم کرنے سے منع فرمایا تو وہ حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

اے اللہ کے رسول آپؐ نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے اور میں بچھو کا دم کرتا ہوں اور لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اس پر آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کوئی فائدہ پہنچا سکے وہ ضرور پہنچائے۔ مقصد یہ ہے کہ دم درود کو پیشہ بنانا جائز نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو بیچنے کے مترادف ہے یعنی ایک قسم بیچنے کی یہ بھی ہے کہ انسان کچھ قرآن کریم کی آیات یا کچھ اور نیکی کے کلمات پڑھ کر کسی پر پھونکے اور پھر ان سے پیسے وصول کرے مگر آنحضرتﷺ نے اس کی تشریح فرما دی ہے اگر خدا کے کلام سے تم برکت حاصل کرتے ہوئے کسی کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہو اور تمہارا تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے تو اس نیکی کی غرض سے دم کرنے سے نہ رکو کیونکہ یہ اس مضمون میں داخل نہیں ہے جس کا تعلق خدا کی آیات بیچنے سے ہے۔ (مسلم کتاب الاسلام باب استحباب الرقیہ)۔

ایک اور موقع پر جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کئی دفعہ۔ دو صحابیؓ کسی جگہ مشکل میں مبتلا ہوئے اور کھانے اور پانی سے محروم تھے ان کو ایک قبیلے نے اپنے دشمن قبیلے کا حصہ سمجھتے ہوئے اندر داخل ہونے سے ہی منع کر دیا مگر جب ان کے سردار کو پتا چلا جو شدید سر درد میں مبتلا تھا تو اس کو خیال آیا کہ شاید ان کے پاس کوئی ٹوٹکا ایسا ہو جس سے میں ٹھیک ہو جاؤں ان کی طرف آدمی بھگائے ان کو بلایا گیا اور پھر جب انہوں نے سورۃ فاتحہ کا دم کیا تو اس کی درد آناً فاناً ٹھیک ہو گئی اس کے بعد انہوں نے جو تحفہ پیش کیا وہ انہوں نے کھایا لیکن آپس میں گفتگو ہوئی۔ ایک نے کہا کہ یہ حرام تو نہیں ہو گیا کہیں یعنی مجھے شک ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں جائز ہے۔ (مسلم کتاب الاسلام حدیث:4080) آنحضرتﷺ نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ اس طرح دیا کہ خود ان سے ایک ٹکڑا گوشت کا مانگ کر وہ بھی کھایا اور بتایا کہ ہاں ایسا جائز ہے کہ محمد رسول اللہﷺ کے لئے بھی جائز ہے۔ تو جو تقویٰ میں سب سے بڑھا ہوا ہے اگر اس کے لئے جائز ہے تو ادنیٰ آدمیوں کے لئے کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث کا اس حدیث سے تصادم نہیں ہے یہ میں اس وجہ سے دوبارہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں ایک انسان کسی سے نیکی کرتا ہے اور وہ نیکی کے جواب کے طور پر کچھ تحفہ پیش کرتا ہے تو یہ آیات بیچنے کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نعوذ باللہ رسول اکرمﷺ نہ اجازت دیتے نہ اس میں سے خود کچھ کھاتے۔ تو اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ان دو باتوں میں تضاد ہے۔ مضمون یہی ہے کہ اس نیت سے خدا تعالیٰ کے کلام سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچانا کہ وہ اس کے بدلے میں کچھ رقم دیں اور نہ یہ مطالبہ ہونہ

یہ نیت ہو۔ ہاں فائدے کی خاطر بنی نوع انسان سے ہمدردی کے لئے جو دم آپ پڑھتے ہیں وہ سراسر جائز ہے اور پھر اگر کوئی تحفہ پیش کرتا ہے تو وہ آپ کے لئے تحفہ ہے نہ کہ اس دم کی قیمت۔

ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن مرہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو امام حاجت مندوں، ناداروں اور غریبوں کے لئے اپنا دروازہ بند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات وغیرہ کے لئے آسمان کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کو سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات اور مشکلات کا مداوا کیا کرے اور ان کی ضرورتیں پوری کرے۔ (ترمذی کتاب الاحکام باب فی امام الرعیۃ)۔ یہ جو حدیث ہے یہ قابل توجہ ہے اور کچھ تشریح کی محتاج ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرے اس کی ضرورتیں خدا پوری کرتا ہے یہ تو ایک مثبت مضمون ہے جو دوسری احادیث میں بھی ملتا ہے اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں کسی قسم کی کوئی گنجلک نہیں ہے جسے دور کیا جائے جو ایسا نہیں کرتا یعنی جو غریبوں پر اپنے دروازے بند کرے اس کی ضرورتوں کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں یہ مضمون عام نہیں ہے کیونکہ اگر یہ مضمون عام ہو تو جتنے ایسے بدنصیب لوگ ہیں جو مال دولت والے ہیں اور اپنے دروازے غریبوں پر بند رکھتے ہیں یا وہ امیر قومیں جو اپنے اموال اور دولتوں کو غریب قوموں پر خرچ نہیں کرتیں بلکہ محض تجارتی یا سیاسی فوائد کی خاطر ان کو استعمال کرتی ہیں ان کی ضرورتیں سب بند ہو جانی چاہئیں اور ایسے سب لوگ دیکھتے دیکھتے محتاج ہو جانے چاہئیں۔ پس اس حدیث کے مضمون کو عام نہ سمجھا جائے میرا تجربہ بتاتا ہے کہ جن خدا کے بندوں میں کچھ ایمان ہو جن کو اللہ بچانا چاہے ایسی سزائیں صرف ان کو دیتا ہے اور جو خدا سے دور ہیں جن سے اللہ بے نیاز ہو چکا ہے ان کو یہ سزا نہیں دی جاتی۔ تو بعض دفعہ سزا کا دیا جانا پیار کا اظہار ہوتا ہے اور سزا کا نہ دینا غضب کا اظہار ہوتا ہے۔ اس حدیث کا بھی اسی مضمون سے تعلق ہے بعض لوگ جو خدا کا ذکر بھی کرتے ہیں اس سے پیار بھی رکھتے ہیں اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اتنے خسیس ہوتے ہیں کہ اس کے باوجود ان کی اصلاح نہیں ہوتی اور خدا کے بندوں پر وہ فیض بند کر دیتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فیض کے دروازے بند کرتا ہے ان کو سمجھانے کے لئے ان کو بچانے کے لئے اور کئی دفعہ ایسے لوگ سمجھ کر پھر بچ بھی جاتے ہیں اور

جو نہ بچیں پھر وہ خدا سے ضائع ہو جاتے ہیں پس یہ وہ مضمون ہے جس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور یہ صرف اسی دائرے سے تعلق نہیں رکھتا کہ ضرورتیں پوری کی جائیں بلکہ اور بھی بہت سے ایسے روزمرہ کے تجربات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جن سے نیک توقعات رکھتا ہے ان کی ادنیٰ لغزشوں کو بھی بعض دفعہ پکڑتا ہے یہ بتانے کے لئے کہ مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی اور ان کو ایک معمولی سی سزا دے کر سمجھا دیتا ہے اور اس کے بعد پھر ان سے غیر معمولی حسن سلوک فرماتا ہے غیر معمولی پیار سے ان کی دلداریاں کرتا ہے۔

یہ جو خدا کا بندوں سے تعلق ہے یہ انسانی تعلقات کے دائروں پر غور کرنے سے بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ بعض لوگ کسی انسان کے ساتھ بدسلوکیاں کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اس کو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کوئی جواب نہیں دیتا لیکن اپنا کوئی پیارا جس پر اعتماد ہو اس کی ادنیٰ سی لغزش سے بھی دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور پھر انسان اس سے نظر پھیرتا ہے یا اس کو وقتی طور پر سمجھانے کی خاطر کوئی اس کو نمونہ اپنی ناراضگی کا عطا کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تا کہ وہ سمجھ جائے اور اس کے بہترین اور پاکیزہ تعلقات دوبارہ اس سے بحال ہو جائیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ جتنی فطرت بھی انسان کو عطا ہوئی ہے وہ خدا کی فطرت یا اس کی صفات کے مطابق ہے اس کے منافی نہیں ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ خدا کی تمام صفات انسان میں جلوہ گر ہیں۔ نہ خدا کی تمام صفات فرشتوں میں جلوہ گر ہیں نہ انسان میں ہیں بلکہ خدا کی مخلوقات کے امکانات لامتناہی ہیں اور ہر مخلوق میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہو خدا کی صفات ضرور جلوہ گر ہوتی ہیں کہیں کم کہیں زیادہ۔ تو مراد یہ ہے کہ انسان کو اس حد استطاعت تک اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے نمونے پر بنایا ہے اور اسی نمونے کو قائم رکھنا ہی حقیقی نیکی ہے اور اس سے با خدا انسان بنتے ہیں پس جو اپنی فطرت کے خواص کو چمکاتا ہے جو الٰہی صفات ہیں وہ با خدا بنتا چلا جاتا ہے جو ان صفات کو نظر انداز کر کے محض خدا کے حضور ماتھا ٹیکنے کو ہی عبادت سمجھتا ہے یا زندگی کا مقصد اور صفات الٰہی سے آنکھیں بند کر لیتا ہے صفاتِ الٰہی کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکاتا وہ انسان دھوکے میں مبتلا ہے کہ میں عبادت کر رہا ہوں بلکہ اس کی عبادت محض ایک جسم کا جھکنا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ جو بات فرماتے ہیں چونکہ وہ صفات الٰہی کا کامل مظہر ہیں اس لئے صفات الٰہی کے

دائرے میں ہی ان باتوں پر غور ہونا چاہئے اور صفات الٰہی اگر براہ راست سمجھ نہ آئیں تو ان انسانوں کی پاک فطرت کے حوالے سے وہ سمجھ آ سکتی ہیں جنہوں نے کسی دائرے میں اپنی فطرت کی حفاظت کی ہوئی ہے وہ جب اپنے نفس میں ڈوب کر دیکھتے ہیں اپنے تعلقات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا وہ کلام جو خدا کے بارے میں ہے سمجھ آنے لگتا ہے۔

ہاں ایک اور بات اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جب حضرت معاویہؓ نے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگوں پر اپنے دروازے بند کرتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان پر اس کے لئے دروازے بند کر دیتا ہے تو انہوں نے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ لوگوں کی شکایات کا مداوا کرے یہ حدیث نہیں ہے یہ حضرت معاویہ کا ایک ردعمل ہے جو بیان ہوا ہے اور میرے خیال میں یہ ردعمل اس حدیث کے مضمون کے عین مطابق نہیں ہے ایک امیر آدمی کا یا ایک بادشاہ کا کسی دربان کو مقرر کر دینا، کسی ایک شخص کو مقرر کر دینا کہ لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا پھرے یہ ہرگز اس حدیث کے منشاء کے مطابق بات نہیں ہے یہ الگ الگ مضمون ہے جو بادشاہوں کی ذمہ داریوں سے تعلق رکھتا ہے ان کو ادا کرنی چاہئیں اس کا انسانی نفس سے تعلق ہے وہ شخص جس کا نفس بنی نوع انسان کی حاجت روائی کے لئے کھلا رہتا ہے جس کی فطرت کے دروازے ہمدردی کے ساتھ خدا کے مجبور اور مقہور اور معذور بندوں کے لئے کھلے رہتے ہیں اور اس کا فیض ان دروازوں سے ہمیشہ ان کے لئے جاری رہتا ہے یہ وہ مضمون ہے جس کا آسمان کے دروازے کے کھلنے یا اس کے برعکس ان کے بند ہونے سے تعلق ہے۔ پس وہ لوگ جو فطرتاً بنی نوع انسان کی ہمدردی میں مگن رہتے ہیں ان کی فطرت ہر وقت تقاضا کرتی ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جائے بیمار کو شفا بخشی جائے اور مصیبت زدگان کی مصیبت کا حل کیا جائے وہ ہیں جن کے دروازے کھلے ہیں نہ کہ وہ جو دربانوں کو ہدایت کر دیں کہ کسی کا خیال رکھو یا ملازموں کو ہدایت کر دیں۔ پس یہ پاک تبدیلی اگر فطرت کے اندر پیدا ہو جائے اور انسانی فطرت کے دروازے خدا کے محتاج بندوں کے لئے کھل جائیں تو اس حدیث کا جو برعکس مضمون ہے وہ بھی لازماً صادق آتا ہے کہ آسمان کے دروازے ان پر کھولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات کا خود خیال فرماتا ہے۔

یہ جو احادیث ہیں ان کا حوالہ میں دینا بھول گیا تھا ابوالحسن سے جو حدیث روایت ہے یہ

ترمذی کی ہے اور دم والی حدیث جو بیان کی تھی یہ مسلم کتاب الاسلام سے لی گئی تھی اور جہاں کہیں بھی تم ہو تقویٰ اختیار کرو یہ حدیث جو ہے یہ ترمذی کتاب البر سے لی گئی تھی۔

اب ایک حدیث امام مالک کی مؤطا سے لی گئی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ یحییٰ معزنی رضی اللہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ضحاک بن خلیفہ نے مدینہ کی ایک وادی سے پانی کی ایک نالی نکالنی چاہی تا کہ اپنے کھیت سیراب کر سکے۔ یہ نالی محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ محمد بن مسلمہ نے اس کی اجازت نہ دی ضحاک نے اس سے کہا کہ تم کیوں روکتے ہو تمہارا بھی اس میں فائدہ ہے پہلے تم اپنی زمین کو پانی دے دینا اور بعد میں وہ بھی فائدہ حاصل کر سکتا ہے تمہارا کوئی نقصان نہیں لیکن محمد نے کہا بس میری مرضی ہے میری زمین ہے میں اجازت نہیں دیتا۔ ضحاک نے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب کی خدمت میں اس مشکل کا ذکر کیا آپؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ وہ ضحاک کی بات مان لے لیکن محمد بن مسلمہ نے مسلسل انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تمہارا بھی اس میں فائدہ ہے اور نقصان نہیں ہے تو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے سے کیوں روکتے ہو لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور یہ کہا خدا کی قسم میں ان کو ہرگز اجازت نہیں دوں گا یعنی خدا کی قسم کھائی تا کہ حضرت عمر اس نام کے خیال سے مزید اصرار نہ کریں۔ اب پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ خدا کی اگر قسم کھائی جائے تو اس پر وہ جو خدا کی محبت رکھتا ہے یا خدا کا غیر معمولی احترام دل میں رکھتا ہے وہ تو رک جایا کرتا ہے۔ کیا حضرت عمرؓ اس قسم کی وجہ سے رک گئے؟ ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نالی اگر تمہارے پیٹ پر سے بھی گزارنی پڑے تو میں اسے ضرور جاری کرواؤں گا اور جاری کروائی کہ تم ہوتے کون ہو بنی نوع انسان کے فوائد کی راہ میں حائل ہونے والے؟

اب اس مضمون میں دو باتیں ہیں جو قابلِ توجہ ہیں ایک موقع پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا عقد کسی سے ہوا۔ یہ وہ بدنصیب خاتون ہیں جو پھر ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہو سکیں اور آنحضور ﷺ جب کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے کہا کہ میں خدا کے نام پر تمہیں اپنے پاس آنے سے روکتی ہوں۔ آنحضور ﷺ نے اسی وقت قدم روک لیا اسی وقت دروازے سے باہر چلے گئے اور وہ معاملہ ایسے ہو گیا جیسے وہ کالعدم تھا اس کا کوئی وجود نہیں تھا تو جہاں خدا کے نام کی عزت کا تعلق ہے جہاں تک کسی شخص کے اپنے ذاتی حقوق کا تعلق ہے جن کو اللہ کے نام کی غیرت ہے اس سے محبت ہے

وہ ایک ذرہ بھی اس کے بعد اصرار نہیں کرتے جس پر ان کو خدا کے نام سے روکا جا رہا ہو لیکن جہاں خدا کی مرضی کے خلاف اللہ تعالیٰ کا نام استعمال ہو رہا ہو جہاں ان باتوں میں اللہ کا نام استعمال کیا جائے جہاں خدا نے حق نہیں دیا وہاں محض خدا کے نام کی خاطر رکنا اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت افزائی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مخالف حرکت کرنا ہے۔

پس یہ جو دو حدیثیں ہیں ان سے کوئی شخص تصادم سمجھتے ہوئے یہ نہ سمجھے کہ رسول اکرم ﷺ نے تو ایسا نمونہ دکھایا تھا اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کے باوجود خدا کا نام سننے کے بعد بھی رکے نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے تمہارے پیٹ پر سے بھی نالی گزارنی پڑی تو ضرور نکالوں گا۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے مزاج کے مطابق ہے اور قرآنی تعلیم کے مطابق ہے ایک بھائی دوسرے بھائی کو جو فائدہ پہنچا سکتا ہے اس سے نہیں رکنا چاہئے لیکن اگر وہ اپنے عام معاملات میں رکتا ہے تو یہ الگ مسئلہ ہے لیکن جہاں تک انسان کے انسان پر حقوق، ریاست سے تعلق رکھتے ہوں جہاں ان حقوق میں ریاستی دستور کا مضمون داخل ہو جائے اور ایک Civil Right کا مضمون ہو وہاں ریاست کے مالک کا یا حکمران کا فرض ہے کہ Civil Right کو خدا کی تعلیم کے مطابق جاری کرے۔

پس آج کل ہمارے ملکوں میں یہ ہوتا ہے بعض دفعہ ایک امیر آدمی کے کھیت سے کسی غریب آدمی کی نالی نکلنی ہوتی ہے وہ گورنمنٹ منظور بھی کر لیتی ہے وہ انکار کر دے تو کچھ پیش نہیں جاتی حالانکہ اگر حقیقی اسلامی روح ہو تو حکومت کا فرض ہے کہ یہ جائزہ لے کہ اگر کسی بھائی کا فائدہ پہنچ رہا ہے اور کسی کا معمولی نقصان ہے جو ایک نالی نکالنے کے نتیجے میں طبعاً ہونا ہے تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ روک دے۔ میرے پاس ایک دفعہ ایک شکایت ملی چند احمدی گھرانوں کی طرف سے کہ فلاں احمدی دوست ہیں اچھے بھلے کھاتے پیتے اور صاحب حیثیت، ہم نے حکومت سے نالی منظور کروائی وہ اجازت نہیں دیتے تو میں نے ان سے پتا کروایا تو بات وہی تھی کہ معمولی نقصان کی خاطر ایک بھائی کے بڑے فائدے سے ان کو روکا جا رہا تھا تو میرے پاس تو ریاستی اختیارات نہیں ہیں مگر میں نے ان کو پیغام بھجوا دیا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو میرے آپ سے ذاتی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور اس کے علاوہ میں جماعت کو کہوں گا کہ ہر ممکن اس شخص کی مدد کرے اور جہاں تک

جماعت کا زور چلا ہم ضرور کروا کے چھوڑیں گے۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کام ہوا یا نہیں مگر اس کے بعد دونوں کی طرف سے مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ تو میں یہ بات اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ یہ زمیندارہ، چھوٹی چھوٹی گھٹیا باتیں جماعت کے اعلیٰ کردار کے مخالف اور معاند ہیں۔ مخالف اور معاند اس لئے کہ جماعت کے دوسرے اخلاق کو بھی یہ بداخلاقیاں چاٹ جاتی ہیں اور ان کی دشمن ہو جاتی ہیں پس اس لئے جماعت کو اپنے کردار میں وہی اعلیٰ پاک نمونے قائم کرنے چاہئیں جن کی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں سے توقع ہے اور یہ جو قرآن کریم میں آتا ہے وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے بڑی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے ان لوگوں سے جو نمازیں پڑھنے کے باوجود بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے معاملے میں اپنی مٹھیاں بند کئے رہتے ہیں اور ماعون سے مراد ماء پانی والا ماء نہیں ہے بلکہ عین سے ہے۔ ماعون۔ يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ کا مطلب ہے روزمرہ کی ہمسایوں کی ضرورتیں چھوٹی موٹی باتوں میں جہاں تکلیف ہوتی ہے ہمسائے کو۔ کوئی حاجت روائی کے لئے آجاتا ہے یا کوئی آٹا مانگ لیا، کسی وقت کوئی آگ طلب کر لی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ماعون سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ مصلّی، وہ نماز پڑھنے والے جن کے کردار کا یہ عالم ہو کہ اپنے بھائیوں کے چھوٹے چھوٹے فائدے بھی روک دیں یہاں ان کے حقوق کا سوال نہیں ہے اپنی ملکیت سے معمولی فائدہ بھی لوگوں کو نہ پہنچائیں فرمایا ان پر ہلاکت ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ایک ہی جگہ ہے جہاں نماز پڑھنے والوں پر ہلاکت ڈالی گئی ہے اور وہ یہ جگہ ہے الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ فرمایا اس لئے کہ وہ نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے مضمون سے غافل ہیں۔ اس کی غرض و غایت سے بے خبر ہیں۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نمازیں محض دکھاوے کا ذریعہ بن جاتی ہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور پھر نتیجۂ یہ نماز کے فیض سے ایسے محروم رہ جاتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے اپنے فیوض سے بھی اپنے بھائیوں اور اپنے ہمسایوں کو محروم رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر آسمان کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور یہاں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا وہ لوگ مراد ہیں جو نمازیں پڑھ کر بظاہر خدا کے حکم کی اطاعت بھی ضروری سمجھ رہے ہیں اور دین سے بے تعلق نہیں ہوئے کچھ نہ کچھ تعلق اللہ سے موجود ہے، ان کو سزا پھر ملتی ہے اور بعض دفعہ تو ہلاکت کی سزا ملتی ہے۔ جیسا کہ

اس آیت میں ہے یعنی وہ بالکل کاٹے جاتے ہیں ان پر دروازے آسمان کے روزمرہ کے بند نہیں کئے جاتے جہاں وَيۡلٌ کا لفظ آ گیا وہاں یہ مضمون ختم ہو جاتا ہے لیکن ایسے لوگ ذرا ادنیٰ بیماری میں مبتلا ہوں عبادتیں بھی کر رہے ہوں اور ان کمزوریوں میں بھی مبتلا ہو جائیں اگر اللہ ان کو بچانا چاہے تو ان سے اپنے ہاتھ روک لیتا ہے اور پھر اس طرح ان کو سبق ملتا ہے اور جو خوش نصیب ہیں وہ بچ بھی جاتے ہیں۔

خادموں اور مزدوروں سے حسن سلوک کا معاملہ بھی توجہ طلب ہے یہاں ذاتی نوکروں کا رواج تو کم ہے یعنی یورپ میں لیکن ہمارے تیسری دنیا کے ممالک میں یہ عام رواج ہے اور ان سے جو سلوک ہوتا ہے وہ بہت ہی نا قابلِ برداشت ہے اور ہرگز اسلامی سلوک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ غیر اسلامی سلوک ہے جو ہمارے معاشرے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ نوکروں سے بسا اوقات، سخت کام ایسے لئے جانا کہ جو عام روزمرہ کی طاقت سے بڑھ کر ہوں یہ ظلم ہے یہ اگر جانوروں سے بھی کیا جائے تو تب بھی اس کی اجازت نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایک موقع پر ایک اونٹ کی حالت خراب دیکھی تو آپؐ نے بہت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اس کا مالک اس پہ ظلم کرتا ہے اور پھر اس نے اس کو آزاد کیا اپنی بخشش کی خاطر اور فرمایا کہ یہ تو ظلم کی شکایت کر رہا ہے اپنے مالک کے خلاف۔ تو اگر آنحضرت ﷺ کا فیض جانوروں پر بھی اسی طرح جاری ہے تو نوکروں اور روزمرہ کے گھر کے ملازموں کو جو انسان ہیں ان کے لئے تو آنحضرت ﷺ کی رحمت بدرجہ خاص جوش میں آتی ہے اور کثرت سے ایسے پاک نمونے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ میں اپنے ماتحتوں سے غیر معمولی حسن سلوک دیکھنا چاہتے تھے اس کی چند مثالیں کچھ نصیحتیں ہیں جو میں نے چنی ہیں، ایک ان میں سے ہے جو مسلم کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔

حضرت معرور بن سویدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ کو ایک خوب صورت جوڑا پہنے ہوئے دیکھا۔ ان کے غلام نے بھی ایسا ہی جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے تعجب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں انہوں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اس کی ماں کے عیب بیان کر کے اسے شرم دلائی۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا تم میں جہالت کی رگ باقی ہے یعنی یہ جہالت کی حرکت ہے یہ غلام تمہارے بھائی ہیں وہ

تمہارے خادم ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری نگرانی میں دیا جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اپنے غلاموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے اگر تم کوئی مشکل کام ان کے سپرد کر دو تو اس کام میں خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کی مدد کرو (مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مما یاکل ولباسہ مما یلبس)۔ یہ جو ترجمہ ہوا ہے میرے نزدیک اس میں کچھ کمزوری ہے قرآن کریم کی آیت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کا مضمون ہے دراصل جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور دوسری حدیثیں اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ مراد نہیں ہے کہ بعینہٖ وہی کھانا کھلایا جائے، بعینہٖ وہی کپڑے پہنائے جائیں بلکہ مراد یہ ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں بات مزید کھولی جا چکی ہے کہ ان کو وہ کھانا بھی کھلایا کرو جو تم کھاتے ہو یعنی ضروری نہیں کہ سو فیصدی وہی کھانا کھلایا جائے مگر اس کھانے سے محروم نہیں رکھنا اور اگر زیادہ نہیں تو کچھ تو ضرور ان کو اس میں سے دو تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی ہانڈی الگ پک رہی ہے اور ان کو پتا ہی نہیں کہ ہمارے مالک کیا مزے اڑا رہے ہیں۔ پس جو کھانا اچھا پکتا ہے اس میں سے کچھ ان کو بھی ضرور دو اور جو کپڑے تم اچھے پہنتے ہو کچھ ان کو بھی ایسے پہنا دیا کرو تا کہ وہ ان نعمتوں میں تمہارے کچھ شریک ہو جائیں۔

یہ وہ مضمون ہے جو مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے تابع ہے اور آنحضرت ﷺ کی تمام نصیحتیں چونکہ قرآن پر مبنی ہیں اس لئے بعض احادیث کی تشریح ان قرآن کی آیات میں مل جاتی ہے جہاں سے وہ مضمون اخذ فرمایا گیا ہے۔ پس کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر بالکل سو فیصد، برابر، بعینہٖ وہی کھانا اور وہی کپڑے نہ پہنائے گئے تو نعوذ باللہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہو جائے گی بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دوسری احادیث میں یہ مضمون خوب کھولا جا چکا ہے۔ عام طور پر حسن سلوک کرنا اور حتی المقدور اپنی نعمتوں میں اپنے غریب بھائیوں کو شریک کرنا خصوصیت سے ان ملازموں کو جو گھر میں رہتے ہیں۔ موسم کے پھل آتے ہیں تو ان کو بھی کھلائے جائیں اچھے کھانے پکتے ہیں تو ان کو بھی وہ کھلائے جائیں تا کہ وہ اپنے آپ کو ادنیٰ مخلوق نہ سمجھیں اور آپ کو خدا تعالیٰ ایک متکبر کے طور پر ردّ نہ کر دے اور اپنی نظر سے گرا نہ دے۔

پس جو اپنے خادموں اپنے نوکروں کی عزت افزائی خدا کی خاطر کرتا ہے اس کی عزت افزائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کی نصیحت فرمائی گئی ہے اور حضرت ابوذرؓ چونکہ

اس مضمون میں غیر معمولی شدت اختیار کر گئے تھے اس لئے آپؓ کی احادیث میں کچھ ایک طرف جھکا ہوا مضمون نظر آتا ہے اور حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں نے اس لئے آپ کے سامنے رکھی ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ مختلف صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی نصائح سے مختلف اثر قبول کیا کرتے تھے۔ بعض اپنے مزاج کی وجہ سے ایک انتہاء کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور اس مضمون کو پیش کرتے وقت ان کا یہ طبعی رجحان جو ہے ان کے کلام پر اثر انداز ہو جاتا تھا۔ اسی لئے بعض مسلمان اشترا کی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا کا پہلا اشترا کی قرار دیتے ہیں اور بڑے فخر سے یہ نام پیش کرتے ہیں۔

ایک دفعہ لاہور میں ایک ایسے ہی اشترا کی سے میری گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ اسلام تو نہ صرف یہ کہ اشترا کیت کا قائل بلکہ اسلام ہی نے اشترا کیت پیش کی ہے اور پہلا اشترا کی مارکس نہیں تھا بلکہ ابوذر غفاریؓ تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض دوسری باتوں میں بہت زیادہ اس بارے میں حد سے تجاوز کر دیا اور اپنے رہن سہن میں بھی انہوں نے اتنا زیادہ برابری کا تصور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے اندر دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پس اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ ابوذرؓ نے جو بات بیان کی اصل میں وہ درست تھی کہ نہیں۔ اس بات میں پڑنے کی ضرورت ہے کہ جو ابوذرؓ نے ان باتوں کو سمجھا کیا باقی صحابہؓ نے بھی وہی سمجھا۔ کیا حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی سمجھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی وہی سمجھا، حضرت عثمانؓ نے بھی وہی سمجھا، حضرت علیؓ نے وہی سمجھا۔ اگر سب نے ہی سمجھا تو پھر ایک ابوذرؓ نہیں مدینے کی ساری سوسائٹی ابوذروں میں تبدیل ہو جانی چاہئے تھی مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کے سوا کسی صحابیؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ان مطالب کی سمجھ نہ آئی ہو اور آنحضور ﷺ صرف ایک ابوذر پیدا کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں۔

پس صحابہؓ کو آپس میں ٹکرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے حدیثوں پر جہاں صحابہؓ کے عمل میں تضاد دکھائی دے وہاں گنجائش موجود ہے، یہ بات سوچنے کی کہ ہم اپنی اپنی سوچوں کے مطابق نیکی کے ساتھ اگر ایک ردعمل دکھاتے ہیں تو اگر وہ دوسروں سے مختلف بھی ہو اور بظاہر غلط بھی دکھائی دے، اگر نیک نیتی اس کا موجب بنی ہوئی ہے تو ہم دوسروں کے لئے تقلید کا نمونہ تو نہیں بنتے مگر گنہگار بھی نہیں بنتے۔ پس ابوذر غفاریؓ نے جو غلطیاں کیں وہ اس کے گنہگار نہیں ہیں ان کا ایک مزاج تھا جس نے

ایک بات کو جیسے سمجھا ویسے اس پر عمل کر کے دکھا دیا لیکن وہ تقلید کے لائق نہیں ہیں کیونکہ تقلید کے لائق محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ نمونہ ہے جو صحابہؓ میں ایک عمومیت اختیار کر گیا ہے اور صحابہؓ کی سوسائٹی میں وہ نمونہ سرایت کر گیا تھا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ جس کے متعلق فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا وَالَّذِیْ مَعَهٗ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ ایک ابوذرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا بلکہ فرمایا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ وہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ان کا نمونہ پکڑو۔

پس اس وضاحت کی خاطر میں نے خصوصیت سے یہ حدیث آپ کے سامنے رکھی اور اسے کھول دیا مگر آنحضرت ﷺ کا اپنا اسوہ حسنہ صرف گھر میں نوکروں سے نہیں بلکہ بیویوں سے بھی، دوسرے عزیزوں سے بھی یہی تھا کہ ہر مشکل کام میں ان کے ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جو خود کھاتے تھے اس سے اپنے غلاموں کو بھی کھلایا کرتے تھے اور حسن سلوک ایسا تھا کہ غلام بھی اپنے بیٹوں کی طرح گھر میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر یہ اخلاق کے وہ اعلیٰ پاک نمونے ہیں جن کو عامۃ الناس کے لئے لازم اور فرض قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے انسان ہیں مختلف درجات سے تعلق رکھنے والے انسان ہیں اگر آپ نے بہت اعلیٰ درجے کی نیکی کرنی ہو تو پھر وہی نمونہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے غلاموں اور ماتحتوں سے اختیار فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے یہ بخاری کتاب العتق سے لی گئی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کسی کا نوکر کھانا تیار کر کے لائے تو تم اسے اپنے پاس بٹھا کر نہ کھلا سکو تو کم از کم دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو۔ اب حضرت ابوہریرہؓ نے بھی یہ باتیں سنی تھیں اور ان کا ایک متوسط مزاج تھا اس مزاج نے جو بات سمجھی وہ ابوذر غفاری والی نہیں بلکہ ایک اور بات ہے اور یہی نمونہ صحابہؓ کی زندگی میں ہمیں دکھائی دیتا ہے اور یہی مضمون ہے جو مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے عین مطابق ہے فرمایا کہ تم روزمرہ اگر اس کو ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو کوئی گناہ نہیں ہے بعینہٖ وہی کھانا نہیں کھلا سکتے تو گناہ نہیں مگر کچھ تو کھلاؤ تا کہ خدا نے جو کچھ تمہیں نعمتیں عطا کی ہیں اس خدا کی ہدایت کے مطابق ان میں سے اپنے کمزور بھائیوں کا بھی تو کچھ حصہ ڈالو انہیں اس میں سے کچھ عطا کرو۔ پس یہ ہے وہ مفہوم جو حضرت ابوہریرہؓ نے سمجھا اور بیان کیا کہ اپنے پاس بٹھا کر نہ کھلا سکو تو کم از کم ایک دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو کیونکہ

اس نے یہ کھانا محنت کر کے تمہارے لئے تیار کیا ہے جس میں اس کا بھی حق ہے۔ یہاں حق کہہ کر یہ فرما دیا گیا کہ تم جب ایسا کرو گے تو احسان نہیں ہوگا بلکہ تمہارے خادموں کا حق ہے کہ کچھ نہ کچھ اس میں سے ان کو ضرور دیا جائے اور جہاں تک ساتھ بٹھانے کا تعلق ہے اس کے متعلق بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے سنا تھا مجھے اب حدیث کا حوالہ یاد نہیں اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھتیجوں، بھانجوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ساتھ کئی دفعہ صحن میں ٹہلتے ٹہلتے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی بہت پیارے انداز میں باتیں فرمایا کرتے تھے اس لئے مجھے یاد ہے کہ مجھے آپؓ نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ اگر تم اپنے نوکر کو ہمیشہ اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو کبھی کبھی ایسا کیا کرو کہ تم خدمت کیا کرو اور نوکر میز پر بیٹھے ہوں اور کبھی کبھی یہ کیا کرو کہ جو تم کھانا اچھا پکاتے ہو اپنے لئے، وہ نوکروں کے لئے پکواؤ اور ان کو Serve کرو۔

چنانچہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ نہیں بارہا مجھ سے یہ بات اس طرح بیان کی تا کہ میرے دل پر، دماغ پر نقش ہو جائے لیکن ہمارے معاشرے میں اس پر عمل بڑا مشکل ہے کیونکہ جب میں نے کوشش کی بارہا تو کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر نوکر بھاگتے تھے اور بعض ہنس پڑتے تھے کہ یہ ہم سے مذاق ہو رہا ہے۔ میں نے حوالے دیئے منتیں کیں کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کے منشاء کو پورا کرنے کی خاطر، مجھے ثواب دینے کے لئے خدا کے لئے مان جاؤ مگر ان سے ہوتا نہیں تھا۔ اور اس میں ان کا قصور نہیں، یہ معاشرے نے لمبے عرصے تک ان کی فطرتوں کو ایک قسم کا مسخ کر دیا ہے وہ سمجھتے ہیں ہم اس لائق ہی نہیں ہیں۔ یہ معاشرے کا ظلم اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہمیں اسے بدلنا چاہئے اور جماعت احمدیہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ رفتہ رفتہ کوشش کر کے وہ اس چیز کو بدلیں چنانچہ میں کسی حد تک خدا کے فضل سے کامیاب بھی ہوا۔ بعض دفعہ ان کو ضرور بٹھایا لیکن بار بار ایسا نہیں ہونے دیا گیا کیونکہ انہوں نے صاف انکار کر دیا لیکن کچھ نہ کچھ عادت ضرور ڈالنی چاہئے اپنے کپڑوں جیسے کپڑے بنوا کے دینے چاہئیں اور یہ تو صحابہؓ میں عام رواج تھا۔ حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے دوسرے اور بھی بزرگوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض دفعہ کپڑا طلب کرنے گئے ہیں دکاندار سے تو ایک کی بجائے دو جوڑے کٹوائے جب دکاندار نے پوچھا کہ آپ کو ایک ہی کافی ہے، ایک طرح کا دوسرے رنگ کا لے لیجئے تو آپؓ نے فرمایا کہ نہیں میں دوسرا اپنے غلام کے لئے لے رہا

ہوں۔ تو صحابہؓ میں یہ رواج تھا اور اچھا کپڑا نوکر کو پہنانا یہ خوبی کی بات ہے اور اسی طرح اچھا کھانا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کچھ نہ کچھ روزمرہ دینا چاہئے اور کبھی کبھی پورا، بھرپور اچھا کھانا پیش کرنا چاہئے، اچھا پھل پیش کرنا چاہئے تاکہ ان کو یہ پتا لگے کہ ہمارے خدا نے ہمارا خیال رکھا ہے۔

یہ اس لئے میں نے فقرہ بولا ہے تاکہ آپ کو اس مضمون کا فلسفہ بھی سمجھ آ جائے اس لئے نہیں آپ نے دینا کہ آپ کے حسن خلق کا اس پہ اثر پڑے بلکہ اس لئے دینا ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ہمارے خدا نے اسلام میں ایسی پاک تعلیم عطا فرمائی ہے کہ ہم جیسے ادنیٰ ادنیٰ غریبوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے جب ایسے کمزوروں کی خدمت کرتے ہیں اور وہ شکریہ ادا کرتے ہیں تو کہتے ہیں لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا کہ ہم نے تو اللہ کی خاطر کیا ہے اللہ کا شکریہ ادا کرو ہم تو تم سے شکریہ چاہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ اگر ہم نے خدا کی خاطر کیا ہے تو پھر ہمیں وہ اجر دے گا اور اگر تمہاری خاطر کیا ہے تو تم شکریہ کر کے ہمارا اجر برباد کرو گے۔ اس لئے تم بھی خدا کا شکریہ ادا کرو ہم بھی خدا کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ یہ وہ معاشرہ ہے جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے ساری دنیا میں اسے قائم ہونا ہے اور لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ میں یہ مضمون داخل ہیں۔ محض اسلام کی تعلیم کا فتح مند ہو جانا اور لوگوں کا اسلام قبول کر لینا محض اپنی ذات میں کافی نہیں ہے یہ باتیں اسلام کی، یہ حسن ہے، جب یہ آپ کے ذریعے پھیلے گا اور دنیا کے قلوب پر فتح حاصل کرے گا اور دنیا میں یہ اسلامی معاشرہ پھیلے گا تب ہم سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ نے ہم عاجز بندوں سے وہ کام لیا جس کی چودہ سو سال پہلے خوشخبری دی تھی کہ وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ایسے بھی ہیں بعد میں آنے والے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کردار کی غلامی سے اولین سے جا ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔